ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

مولانا عبید اللہ سندھی کا دار العلوم دیوبند سے اخراج پس منظر کے واقعات پر ایک نظر

(پہلی قسط)

دار العلوم دیوبند کا قیام شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحریک کا دور تجدید و احیائے ثانی کا آغاز تھا ولی اللہی تحریک تالیف و تدوین افکار، ترویج و اشاعت مقاصد تنظیم جماعت اور سعی انقلاب۔ حالات کے مراحل سے گزری تھی اور ۱۸۵۷ء میں مساعی انقلاب کی ناکامی کے بعد ضرورت پیدا ہو گئی تھی کہ:

۱۔ کسی نئے مرکز کی تلاش کی جائے جو دہلی کے مرکز انقلاب کے مقابلے میں محفوظ ہو اس کے لیے دیوبند (ضلع سہارنپور) کے قصبے کا انتخاب کیا گیا۔

۲۔ نئے حالات میں افکار انقلاب کے تحفظ، تعلیم و تربیت اصحاب، ترویج و اشاعت افکار اور تنظیم جماعت کا سرو سامان کیا جائے اس مقصد سے دار العلوم کا قیام عمل میں آیا۔

دار العلوم کے بانیوں میں متعدد حضرات شامل تھے۔ لیکن اس کے قیام کا جو جامع تصور تھا۔ وہ حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کے سوا کسی کے ذہن میں نہ تھا۔ دار العلوم میں تعلیم و تربیت اصحاب، ترویج و اشاعت افکار اور تنظیم جماعت کے تمام کام دار العلوم کے دو اکابر مولانا محمد قاسم نانوتوی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے عہد میں تقسیم ہیں حضرت قاسم العلوم کا کارنامہ منصوبہ بندی، مرکز انقلاب کے قیام، اجتماع و اتحاد قومی اور تعلیم و تربیت کے دائروں میں ہے اور حضرت شیخ الہند کا کارنامہ تعلیم و تربیت اصحاب استعداد سے لے کر سعی انقلاب حالات تک وسیع ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد محض ایک دینی درسگاہ کا قیام نہ تھا بلکہ احیاے اسلام اور قیام ملت کی یہ ایک ہمہ جہت تحریک تھی اس میں دینی و اسلامی علوم وفنون کی تعلیم بھی دی جاتی تھی مسلمانوں کی ذہنی، فکری اور عوائد و رسوم کی اصلاح اور دعوت وارشاد بھی شامل تھی تبلیغ واشاعت اسلام بھی اس کی ایک جہت تھی۔ اسلامی زندگی کا قیام اور ملک وقوم کی آزادی بھی اس کے مقاصد کے دائرے میں آتی تھی۔

دارالعلوم نے جو جماعت تیار کی تھی اس میں مختلف صلاحیتوں کے اصحاب شامل تھے اور اگرچہ بظاہر الگ الگ کاموں میں مصروف تھے لیکن بہ باطن ان میں ایک رابطہ اور اتحاد فکری موجود تھا۔ تمام تولے جماعت تقسیم کار کے اصول پر کامل نظم وضبط کے ساتھ مصروفِ عمل تھے۔

اس کے آگے بڑھ کر ملک کی دوسری مذہبی، سیاسی، جماعتوں اور مردان کار سے بھی تعلقات استوار کر لیے گئے تھے جو بنیادی طور پر دارالعلوم کے مذہبی اور سیاسی مکتبۂ فکر سے تو تعلق نہ رکھتے تھے لیکن ولی اللہی سلسلے کے بزرگوں سے عقیدت وارادت یا دینی وملی یا سیاسی وقومی مقاصد میں اتحاد واتفاق کا کسی درجے میں بھی کوئی رشتہ رکھتے تھے البتہ یہ کام بہت احتیاط اور رازداری کے ساتھ انجام پا رہا تھا حتی کہ دارالعلوم کے لوگوں کو بھی جو سیاسی ذوق سے ناآشنا تھے، خبر نہ تھی۔

دارالعلوم دیوبند نے علوم اسلامیہ کی تعلیم وتدریس، دعوت وارشاد، اصلاحِ عوائد ورسوم، تصنیف وتالیف اور تدوین علوم ومعارف کے میدانوں میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اس کے علاوہ اس کی خدمات کا دائرہ، ملک کی آزادی، برٹش استعمار سے عوام کی نجات اور برطانوی قوم کے استحصال سے قوم کو نجات دلانے کی کوششوں، قومی وسیاسی شعور کی تربیت، تولے قومی وملکی میں اتحاد، قوم ووطن کی تعمیر وترقی کے تمام کاموں، سماج وسیاست کے تمام میدانوں اور عوام کی زندگی کے تمام گوشوں تک پھیلا ہوا ہے۔

دارالعلوم کے مردانِ کار نے سیاسی زندگی کے مقاصد اور ملک وقوم کی خدمت کے میدان کو محض اتفاق یا حادثے کی بنا پر اختیار نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ ملک کے بعض دوسرے اداروں کے افراد حالات کے جبر یا کسی سیاسی تحریک یا شخصیت سے متاثر ہو کر سیاسی میدان میں آئے تھے ملک کی سیاسی وسماجی خدمت اور قوم کو برٹش استعمار کے استحصال سے نجات دلانا اور قومی سیاسی نظام کا احیا دارالعلوم کے مقاصد قیام میں شامل تھا۔

دارالعلوم کے مقاصدِ قیام کا یہ پہلو اتنا واضح اور نمایاں ہے کہ اس پر لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں لیکن اس موضوع کا تقاضا ہے کہ اسے خاص طور پر نمایاں کیا جائے مولانا مناظر احسن دارالعلوم کے قیام کے پس منظر کے بارے میں لکھتے ہیں :

" جس وقت شاملی کے میدان سے وہ خود (حضرت قاسم نانوتوی) اور ان کے رفقائے کار بہ ظاہر ناکامی کے ساتھ واپس ہوئے تو یقیناً ان کی یہ واپسی یاس و نامرادی کی واپسی نہ تھی اور نہ ہوسکتی تھی۔ واپس تو بیشک وہ ہوئے تھے۔ لیکن یقیناً یہ واپسی "متحرفاً لقتال او متحیزاً الی فئۃ" (الانفال) جنگ ہی کے لیے کتراتے ہوئے یا کسی ٹولی سے ملنے کے لیے"۔ ہوسکتی تھی اور یقیناً اسی کے لیے تھی"۔

(سوانح قاسمی ،جلد۲ ص ۲۳ ـ ۲۲۲)

آگے چل کر دارالعلوم کے قیام کو "قتال کے نئے محاذ و میدان کی تیاری" سے تعبیر کرتے ہیں مولانا لکھتے ہیں

" ۱۸۵۷ء کی کشمکش کی ناکامی کے بعد قتال اور آویزش کے نئے محاذوں اور میدانوں کی تیاری میں آپ (حضرت نانوتوی) کا دماغ مصروف ہو گیا۔ دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی نظام اس لائحۂ عمل کا سب سے زیادہ نمایاں اور مرکزی و جوہری عنصر تھا" (ایضاً ص ۲۲۳)

دارالعلوم کے قیام کے بعد اسی جماعت کے بزرگ حاجی رفیع الدین[1] نے مولانا سید محمد میاں نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے عرض کیا :

" ہم نے دیوبند میں مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لیے دعا فرمائی جائے !

تو آپ نے فرمایا :

سبحان اللہ ! آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے ! یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربہ سجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا ! ہندوستان میں بقائے اسلام اور تحفظ علم دین کا کوئی ذریعہ پیدا کر" (علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے حصہ اول ص ۲۲۴)

مولانا گیلانی نے اس پر لکھا ہے :

" اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ شاملی کے میدان سے واپسی کے

---

[1] حاجی صاحب دارالعلوم کے دوسرے مہتمم اور حضرت شاہ عبدالغنی کے خلفا میں سے تھے۔

بعد سوچنے والوں نے نہ تو مایوس ہوکر سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا اور نہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وہ بیٹھ گئے تھے۔ "بقائے اسلام اور تحفظ علم دین" کے نصب العین کو آگے بڑھانے کے لیے ان کے دماغ بھی مصروف فکر و نظر تھے اور ان کے قلوب بھی کائنات کی مرکزی قوت سے لو لگائے "غیبی لطیفہ" کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے۔" (ایضاً ص ۲۲۴)

اس "نئے محاذ" کے قیام کی حکایت میں مولانا گیلانی مرحوم کے لیے نہ جانے کتنی لذت تھی کہ وہ "سوانح قاسمی" کی بڑی تقطیع کے صفحات میں صفحہ ۲۲۲ سے لے کر ۲۳۵ صفحہ بلکہ اس کے بعد تک اس کو دراز کرتے چلے گئے ہیں اس بیان کے چیدہ چیدہ جملوں کو یہاں نقل کیا جاتا ہے کہ دارالعلوم کے مقاصد قیام کا یہ پہلو قارئین کرام کے ذہنوں میں خاص طور پر نمایاں ہو جائے کہ دارالعلوم کا قیام محض ایک درس گاہ کے قیام کا واقعہ نہ تھا، بلکہ ملک کی آزادی اور قیام ملت اسلامیہ ہند کی تاریخ کے ایک نئے عہد کے ظہور کا عظیم الشان واقعہ تھا مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(۱) الغرض واپس ہونے والا جب واپس ہوا تھا تو کسی "نئے محاذ" ہی کے قائم کرنے اور اس "فتنہ" سے رشتہ اتصال و ربط کو درست کرنے کے لیے واپس ہوا تھا جس کے اجتماعی شیرازے کو درہم برہم کر کے چاہا جا رہا تھا کہ ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا جائے" (ایضاً ص ۲۲۵)

(۲) واقعہ یہی ہے کہ دیکھنے والوں نے ۵۷ء کے ہنگامۂ رستخیز کے دھیمے پڑ جانے کے بعد اُس (حضرت نانوتوی) کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا، بہ ذات خود اس کے لیے اور واپس ہونے والے ساتھیوں کے لیے یہ سب دیکھا بھالا تھا۔ ایک طے شدہ "لائحہ عمل" تھا اپنے اپنے وقت پر اسی کے فیصلے عملی قالب اختیار کرتے چلے جاتے تھے کون کہہ سکتا ہے کہ مصلحت الٰہیہ اور "اجل مسمّٰی" کا اٹل قانون ہندی مسلمانوں کے اندر اس کے قیام کی مدت کو اگر حد سے زیادہ مختصر نہ کر دیتا۔ تو دیکھنے والوں کو خدا ہی جانتا ہے، وہ کیا کیا کر کے دکھاتا۔ (ایضاً ص ۲۶ - ۲۲۵)

(۳) مدرسہ کے اجرا و قیام کی حد تک وہ (مولانا قاسم نانوتوی) اپنے اور اپنے رفقائے کار کے اسی طے شدہ "لائحہ عمل" کے ساتھ "نئے محاذ" کے کھولنے کے لیے صرف صالح اور قابل ترین کی تلاش میں سرگرداں تھا دینی تعلیم کا اجتماعی نظام میں عصری اقتضاؤں کی

اس ولی اللٰہی اور امداد اللٰہی تصور میں اوپر تعلیم کا پردہ تھا اور نیچے اسی تعلیمی لائن سے اعلائے کلمۃ اللہ مسلمانوں کی آفاقی عزت و شوکت اور ملت کی عالم گیر خدمت کے اجتماعی جذبات پنہاں تھے اسی حقیقت کو نمایاں کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے ایک مضمون "دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن" جو "دارالعلوم" (رسالہ) میں شائع شدہ ہے حضرت شیخ الہند کا یہ مقولہ نقل کیا ہے:

"حضرت الاستاذ (حضرت نانوتوی) نے کیا اس مدرسے کو درس و تدریس، تعلیم و تعلّم کے لیے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیرِ اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے"۔

اور اس مقولے پر اپنی طرف سے یہ معلومات اضافہ کرتے ہیں:

- ... چناں چہ حضرت نے احاطۂ مدرسہ میں طلبہ کو فنونِ سپہ گری سکھانے کا بندوبست بھی فرمایا کہ علم کے ساتھ سپاہیانہ اسپرٹ بھی ان میں قائم رہے۔
- محکمۂ قضا بھی ان میں قائم فرمایا تاکہ تنفیذ احکامِ شرعیہ کی خو بھی ان میں محفوظ رہے۔
- ترکوں کی امداد کے لیے بھی مساعی فرمائیں
- سلطانِ ترکی کی مدح میں قصائد بھی لکھے تاکہ خلافتِ اسلامیہ سے مدرسے کے نونہالوں کا ربط قائم رہے۔
- انگریزی تسلط کے بعد ایسی اجتماعی انجمنوں کی حمایت و تائید بھی کی جو انگریزوں سے ملکی حقوق حاصل کرنے کے لیے قائم کی گئیں۔
- ... حضرت کی وفات کے بعد ان کے علمی جانشین شیخ الہند رحمہ اللہ نے ان ہی مقاصد کو آگے بڑھایا اور
- پھر ان کے تلامذہ نے بھی تعلیمی لائنوں کو مضبوط کیا۔ مگر اجتماعی خدمات سے کبھی کنارہ کشی اختیار نہیں کی، بلکہ آزادی کی تحریکوں میں قائدانہ حصہ لیا اُن کے سرخیل اگر انگریزوں کے مقابلے میں میدانِ شاملی میں سربکف تھے تو ان کی ذریت اسی انگریز کے مقابلے میں قید و بند اور جیلوں میں سربکف رہی اور آج بھی کلمۂ حق کہنے میں آگے ہی آگے ہے۔" (مقدمہ تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۲۳ تا ۲۴)

یہ بیان شمس العلما حافظ محمد احمد علیہ الرحمہ کے صاحبزادہ محترم قاری محمد طیب مرحوم کا ہے اور اس

تکمیل کا بھی سروسامان تھا اس کے اس لائحہ عمل کا اہم ترین جز بلکہ قالب کے لحاظ سے سب کچھ وہی تھا کہ 'نئے محاذ' کا نیا قالب یا عملی مرتبع کہاں قائم ہو" (ایضاً ص ۲۹ - ۲۲۸)

(۴) اس نئے محاذ کے بانی سیدنا الامام الکبیر (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی) کے دیوبند والوں سے قرابت قریبہ کے موروثی تعلقات پشتہا پشت سے قائم تھے" (ایضاً)

(۵) وہ نیا محاذ جسے سیدنا الامام الکبیر شاملی کے میدان سے واپس ہونے کے بعد کھولنا چاہتے تھے اس 'نئے محاذ' اور اس کے دور رس مضمرات و مکنونات خواہ کچھ بھی ہوں، لیکن ظاہری قالب تو اس کا یہی تھا کہ مسلمانوں کی دینی زندگی کی حفاظت کے لیے دینی تعلیم کا ایک نظام قائم کیا جائے، جس کے ذریعے ملک کے طول و عرض میں جہاں تک ممکن ہو بڑی سے بڑی تعداد دینی علوم کے علم برداروں کی پھیل جائے۔

اس جدید تعلیمی نظام کے متعلق عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے قدیم علما کی تدریس و تعلیم کا آزاد اور انفرادی طریقہ سیدنا الامام الکبیر کے نزدیک قطعاً ناکافی تھا۔ ۔ ۔ ۔ اپنے اسی اصولی نقطۂ نظر کے زیر اثر آپ دینی تعلیم کا اجتماعی نظام قائم کرنا چاہتے تھے جس میں حتی الوسع تعلیم کے عصری لوازم اور تقاضوں کو بھی ممکنہ حد تک سمونے اور جذب کرنے کی صورت جاہا جاتا تھا کہ نکالی جائے۔ (ایضاً ص ۲۳۳)۔

اور اب تو اس حقیقت کو مولانا قاری محمد طیب صاحب نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ دارالعلوم کے مقاصد کا دائرہ درس و تدریس کے عام مقاصد سے بلند بھی تھا اور بہت زیادہ وسیع بھی۔ قاری صاحب کا بیان ہی کفایت کرتا ہے اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں، قاری صاحب لکھتے ہیں:

"عامۃً ان مؤسس اکابر مدرسہ کا تصور صرف تعلیم و تعلّم ہی کی حد تک تھا حتیٰ کہ عمارت مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے تک یہی رہا۔ جب کہ مدرسہ کے اجرا پر آٹھ نو سال بھی گذر چکے تھے یہ وسیع اور عالم گیر نصب العین ان کے سامنے نہ تھا جو حضرت قاسم العلوم اور ان کے رفقاء جہاد شاملی بہ اشارات غیب و بہ فیضان ولی اللہ و امداد اللہ اپنے اندر لیے ہوئے تھے اور جہاد شاملی کے بعد یہ مقاصد اور بھی زیادہ قوت و عزیمت کے ساتھ ابھر آئے جس کا سرچشمہ حضرت حاجی امداد اللہ اور سرخیل حضرت قاسم العلوم تھے۔

بات کا کھلا اعتراف کہ ۱۹۱۳ء میں دارالعلوم میں جو حالات پیدا ہوگئے تھے اور حضرت شیخ الہند کے مقابلے میں شمس العلماء مرحوم نے جو رویہ اور برٹش استعمار پرستانہ جو پالیسی اختیار کی تھی وہ ہرگز درست نہ تھی اور مدرسے کے مقاصد قیام کے بارے میں حضرت شیخ الہند کا مسلک ہی درست تھا اور جس حقیقت کو ۱۹۱۳ء میں جھٹلایا گیا تھا۔ اسے چونسٹھ برس کے بعد اس مکذب کے بیٹے نے تسلیم کر لیا۔ اگرچہ انھوں نے بھی اپنے دور کے نہایت اہم تاریخی واقعات کو اپنے مقدمہ میں نظر انداز کر دیا ہے۔ اپنی مختصر تاریخ دارالعلوم میں ان واقعات کی پرچھائیں نہیں پڑنے دیں اور سید محبوب رضوی کی جامع "تاریخ دارالعلوم" میں بھی جمعیت الانصار کے قیام اور مولانا عبید اللہ سندھی کے تذکرے میں مصنف کے اس انداز فکر کو اپنانے بلکہ انھی عملوں کو اختیار کرنے کی طرف رہنمائی کی جو خود انھوں نے اپنی مختصر تاریخ میں اختیار کیے تھے لیکن تاریخ نے بالآخر اس حقیقت کو منوا ہی لیا۔ بھلا کہاں گورنر یوپی سر جیمس مسٹن کے حضور میں سپاسنامے میں یہ فرمانا کہ

> "ہمارا ایک اور صرف ایک مقصد ہے! اور وہ ہے مذہبی آزادی کا تحفظ اور صرف مذہبی آزادی کا تحفظ"! اس سے ہٹ کر کسی سیاسی تحریک کو مسترد کرنا یا قبول کرنا ہمارے قائم اور ناقابل تبدیلی نظریے کے باہر ہے"۔
>
> اگر حکومت اسلام اور اس کے عقائد و رسوم کو اور ہمارے "حقیقی لیڈر" کو واقعی عزت دیتی ہے تو دل اور زبان سے اس کا شکریہ ادا نہ کرنا یا اپنے کسی عمل سے اس کے لیے مشکلات پیدا کرنا ہمارے "ناشکری" اور "معصیت" ہے"۔

اور کہاں شمس العلماء کے صاحبزادہ نامدار قاری محمد طیب صاحب کا یہ اعتراف کہ حضرت شیخ نے ملّی مقاصد کو آگے بڑھایا۔ پھر ان کے تلامذہ نے اجتماعی خدمات انجام دیں۔ آزادی کی تمام تحریکات میں حصہ لیا، انگریز کے مقابلے میں قید و بند کی زندگی کو اختیار کیا اور کلمۂ حق کہنے میں آگے ہی آگے رہے وغیرہ وغیرہ

بلاشبہ دارالعلوم میں یہ کارنامہ انجام دیا گیا۔ مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی "ذریت" (ان کے بیٹوں اور پوتوں) نے نہیں بلکہ ان کے شاگرد اور جانشین علمی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، ان کے بعض تلامذہ مولانا عبید اللہ سندھی، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی وغیرہم اور ان کی ذریت نے خصوصاً مولانا سید اسعد مدنی نے جو شمس العلماء حافظ محمد احمد اور ان کی "ذریت" کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتے رہے۔

جب نئے محاذ کے قیام کا فیصلہ کیا جا رہا تھا تو کئی نام ذہن میں آ رہے تھے لیکن یہ سعادت تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دیوبند کی قسمت میں لکھ دی تھی مولانا سید محمد میاں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں :

"یہ دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولتِ گراں مایہ کو یہ سرزمین لے اڑی"۔

(علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے حصہ اول ص۸)

دارالعلوم کے اعلیٰ دماغ اور بلند فکر بانی کو اس بات کا احساس بھی تھا کہ پورے ملک کی اجتماعی زندگی اور قیام ملت کے لیے صرف دیوبند کا مرکزِ انقلاب اور محاذ ہی کافی نہیں ہو سکتا تھا ضرورت تھی کہ ملک کے مختلف علاقوں اور ان کے شہروں میں یہ محاذ قائم کیے جائیں جو اپنے اپنے دائرے میں خدمات انجام دیں البتہ ان کا فکری تعلق دیوبند کے مرکزِ انقلاب سے ضرور ہو۔ چنانچہ مولانا گیلانی مرحوم کے بقول،

" دیوبند میں اس نئے محاذ کی بنیاد ڈالنے کے علاوہ دیوبند کے علاوہ مراد آباد، نگینہ تھانہ بھون وغیرہ میں اس کی شاخیں سیدنا الامام الکبیر ہی کے منشا کے مطابق کھلتی چلی گئیں"۔

مراد آباد، امروہہ، نگینہ اور سہارنپور کے مراکز کا قیام تو دارالعلوم کے قیام کے تھوڑے ہی عرصے بعد عمل میں آ گیا تھا اس کے بعد تو یہ تحریک ایسی پھیلی کہ ملک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں کوئی مدرسہ ہو اور اس کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے نہ ہو یا کوئی مسجد ہو جس میں حضرت قاسم نانوتوی سے عقیدت رکھنے والا اور شیخ الہند سے نسبتِ ارادت یا رشتۂ تلمذ رکھنے والا امام اور خطیب نہ ہو اور کوئی چھوٹا یا بڑا حلقۂ درس قائم نہ ہو۔ خاکسار نے ایک مضمون میں جو مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند (از سید محبوب رضوی) کی کی اشاعت کراچی میں شامل ہے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے اور دیوبند کی سیاسی خدمات اور قومی و ملی زندگی، شخصیات و تحریکات پر اس کے اثرات کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے اس لیے یہاں ان مطالب کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

حضرت شیخ الہند کے سامنے دارالعلوم کے قیام کے علمی و تعلیمی اور اجتماعی و سیاسی دونوں پہلو تھے ان کا تعلق دارالعلوم کے عہدِ قیام سے بہت قریبی رہا تھا ان کے والد مولانا ذوالفقار علی دارالعلوم کی تنظیم و تعمیر، ترقی کے تمام امور میں حضرت قاسم العلوم کے ساتھ شریک رہے تھے وہ دارالعلوم کے قیام کے مقاصد سے کسی کے بتانے سے پہلے واقف تھے حضرت شیخ الہند دارالعلوم کے پہلے طالب علم تھے

تعلیمی تحریک کو بھی وقار بخشا اور حضرت نانوتوی کے فیضانِ علمی اور منصوبۂ تعلیمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

٥ حضرت نے قاسمی جماعت کو منظم کیا اس پر عمل و انقلاب کا دروازہ کھولا اور اُسے ایک بین الاسلامی انقلابی تحریک بنا دیا۔

٥ حضرت نے ہندوستان کے طول و عرض میں اس کے اثرات کو پھیلایا اور مسلمانوں کی اس ملّی تحریک کو ہندوستان کی کل قومی انقلابی تحریک بنا دیا۔

تعلیم و تربیت کے ایک زمانے تک یہ بات چھپی رہی لیکن ترویج و اشاعت افکارِ سیاسی و اجتماعی اور تنظیمِ جماعت کے دور میں رفتہ رفتہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ تعلیم و تربیت اور ترویج اشاعت افکارِ سیاسیہ کا مرکز اور انقلاب کا سرچشمہ دارالعلوم اور تعلیم و تربیت سیاسی کے سب سے بڑے معلم اور مربّی دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمود حسن دیوبندی ہیں۔ ایک مدت تسلسل کے یہ کام ایسی رازداری اور اتنی خوش اسلوبی سے چلتا رہا کہ خود دارالعلوم کے ارکان کو بھی اس کا پتا نہ چل سکا۔

دارالعلوم کے بانیٔ اعظم حضرت مولانا محمد قاسم کا یہ قول کہ "ہم نے دارالعلوم کے اصل مقصد پہ درس و تدریس علوم اسلامی کا پردہ ڈال دیا ہے۔ ہر شخص کی زبان پر تھا لیکن وہ اصل مقصد کیا تھا اور کہاں اور کس طرح انجام پا رہا تھا، کسی کو پتا نہ تھا۔ حالاں کہ یہ کام اس حد تک انجام پا چکا تھا کہ متعدد اصحاب استعداد کی سیاسی تربیت مکمل ہو چکی تھی، ملک کی سیاسی انقلابی شخصیتوں اور جماعتوں سے روابط پیدا ہو گئے تھے ملک کے متعدد علمی، دینی اور انقلابی مراکز سے سیاسی تعلقات پیدا ہو گئے تھے دارالعلوم کے کئی فارغ التحصیل ملک کے مختلف علاقوں میں سیاسی کاموں میں مصروف تھے لیکن یہ راز ۱۹۱۰ء میں جمعیت الانصار کے قیام کے بعد رفتہ رفتہ کھلا اور جب راز کا انکشاف ہوا تو نہ صرف دنیا بلکہ دارالعلوم کے بعض حضرات بھی حیران و ششدر رہ گئے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری حضرت شیخ الہند اور دارالعلوم سے بہت قریبی تعلق رکھتے تھے لیکن انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت اپنے مخصوص تلامذہ و مریدین سے بیعتِ جہاد لیتے ہیں۔ جب معلوم ہوا تو انھیں اس بات پر بڑی حیرت ہوئی۔

۱۹۱۰ء میں حضرت شیخ الہند نے مولانا عبید اللہ سندھی کو دارالعلوم بلایا اور جمعیت الانصار کے تحت دارالعلوم کے قدیم طلبہ کی تنظیم کا کام ان کے سپرد کیا۔ جمعیت الانصار کے اغراض اسی زمانے میں کتابچے کی شکل میں اور رسالے القاسم میں چھپ گئے تھے۔ تذکرہ شیخ الہند (از مفتی عزیز الرحمٰن) میں بہ تفصیل

گھر سے باہر تک ان کی تعلیم و تربیت کی نگرانی ولی اللّٰہی جماعت کے ارکان نے کی تھی۔ دارالعلوم کے مقاصد تمام سے ان کی واقفیت کسی پراسپکٹس یا دستاویز کے مطالعہ پر مبنی نہ تھی بلکہ شاملی کے معرکے میں شریک ہونے والی جماعت کے پسپا ہونے اور قومی و ملی مقاصد کے لیے جد و جہد کا نیا محاذ کھولنے والوں کی نجی کی محفلوں اور راز و نیاز کی گفتگوؤں پر مبنی تھی۔ حضرت شیخ کی تعلیم و تربیت اسی ماحول اور دارالعلوم کے بانیان کرام کی جماعت نے کی تھی حضرت اس جماعت کے ارکانِ عظیم الشان کے شاگرد اور مرید تھے۔ اسی جماعت کے بزرگوں نے انھیں قرآن و حدیث کے درس دیے تھے۔ اسی جماعت نے انھیں شریعت و طریقت کے رموز سکھائے تھے۔ اسی جماعت نے انھیں ملی و قومی سیاست کے بھیدوں سے آشنا کیا تھا۔ حضرت شیخ الہند کو بیک وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی سے نسبت بیعت تھی اور خلعت خلافت حاصل تھی اور نہایت فخر کا مقام یہ تھا کہ وہ ان حضرات گرامی کے مرید ہی نہیں مراد بھی تھے حضرت قاسم العلوم نے ان کی تعلیم و تربیت میں خاص ہمت صرف فرمائی تھی حضرت شیخ الہند حضرت قاسم العلوم والخیرات کے تربیت یافتہ تھے۔ انھیں حضرات کا اعتماد حاصل تھا۔ مولانا قاری طیب صاحب نے بھی انھیں حضرت قاسم العلوم کا جانشین علمی تسلیم کیا ہے وہ حضرت کے مزاج شناس اور واقفِ اسرارِ نہاں تھے۔ دارالعلوم کے بانیوں اور ابتدائی مخلصین و محسنین کے سلسلے میں جن بزرگوں کے نام آتے ہیں، حضرت شیخ الہند نے ان کی آنکھیں دیکھی تھیں ان سے علمی و روحانی استفادہ کیا تھا اور ان کی صحبتوں سے فائدہ اٹھایا تھا۔

دیوبند کی عظمت کی داستان حضرت شیخ الہند نے ہم دُور افتادگانِ عہد کی طرح کتابوں میں نہیں پڑھی تھی۔ اس کی عظمت کا نقش حضرت کی نگاہوں کے سامنے اجاگر ہوا تھا اور پھر آپ نے خود بھی اسے عظیم سے عظیم تر بنانے میں حصہ لیا تھا۔ تاریخ نے وہ وقت بھی دیکھا کہ وہ حضرت قاسم العلوم کے علمی جانشین اور آپ کی جماعت کے رہنما بنے۔ دارالعلوم میں انھیں مرکزیت اور مرجعیت کا مقام حاصل ہوا۔ دارالعلوم کی صدارت اور اجتماعی زندگی میں ان حضرات کا بلند کیا ہوا علم آپ کے ہاتھ میں آیا۔ جسے حضرت نے پوری قوت اور ہمت کے ساتھ پوری زندگی سربلند رکھا۔

٥ حضرت کی ذاتِ گرامی اور خدماتِ دینیہ و اجتماعیہ سے دارالعلوم کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوتا ہے

٥ حضرت شیخ الہند نے حضرت مولانا محمد قاسم کی نہ صرف سیاسی تحریک کو آگے بڑھایا بلکہ آپ کی علمی و

اور دیگر کتب میں موجود ہیں لیکن ہم یہاں "ریشمی خطوط سازش کیس" سے ان مقاصد پر روشنی ڈالتے ہیں:

" مولوی عبیداللہ کی نظامت اور چھ سات ممبروں پر مشتمل مجلس منتظمہ کے ساتھ قائم ہوئی یہ انجمن دیوبند میں تعلیم پائے ہوئے مولویوں کی انجمن کے طور پر قائم ہوئی ہے تاکہ

۱. مدرسہ دیوبند کا انتظام کرے اور اس کو بہتر بنائے

۲. مدرسہ کے لیے رقم کا انتظام کرے.

۳. دیوبند میں جن عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے ان کی تبلیغ کرے اور انھیں فروغ دے اور

۴. دوسرے مقامات پر ایسے ہی مدرسے قائم کرے.

۵. تمام مدارس اسلامیہ کو جمعیت الانصار کے تحت کر دیا جائے اور

۶. دیوبند کے فارغ التحصیل مدرسوں کو ایسے تمام مدارس میں بھیجا جائے.[۵]

جمعیت الانصار کا قیام مجلس منتظمہ کی منظوری سے عمل میں آیا تھا اسی لیے اس کے قیام کے اغراض و مقاصد کی منظوری دی تھی، اسی کے فیصلے کے مطابق مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی (نائب مہتمم دارالعلوم) کو اس کا صدر بنا دیا گیا تھا مولانا عبیداللہ سندھی کو ناظم اور مولانا ابو احمد (آف چکوال ضلع جہلم) کو نائب ناظم مقرر کیا گیا تھا. لیکن اس کے بانی مبانی حضرت شیخ الہند تھے مولانا سندھی حضرت کی ہدایت کے مطابق ہی کام کرتے تھے. حضرت شیخ الہند کا انھیں قرب اور اعتماد حاصل تھا.

جمعیت الانصار کے مقاصد میں ایسی کوئی دفعہ شامل نہ تھی جس سے اس کے سیاسی مقاصد اور عزائم کا اظہار ہوتا ہو، لیکن اس کے پہلے سالانہ اجلاس مرادآباد (۱۹۱۰ء) میں جو تجاویز پاس کی گئیں ان سے اندازہ ہوا کہ جمعیت الانصار کالجوں کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشنز سے قطعاً مختلف اور اس کا

صفحہ گزشتہ

[۵] قواعد و مقاصد جمعیۃ الانصار لطلبۃ المدرسۃ العالیہ الاسلامیۃ الدیوبندیہ، منظور شدہ جلسہ منعقدہ ۱۳ محرم ۱۳۲۸ھ، احمد پریس، علی گڑھ قاسم المعارف کے نام سے جمعیۃ الانصار کی کلکتہ اور سندھ میں شاخیں بھی قائم ہوئی تھیں. کلکتہ شاخ کا ذکر ریشمی خطوط سازش کیس میں آیا ہے. سندھ کی شاخ کے قواعد و مقاصد مستقل کتابچے کی شکل میں مطبع قاسمی دیوبند سے چھپوا کر مولانا عبیداللہ سندھی نے شائع کیے تھے.

[۵] تحریک شیخ الہند... ریشمی خطوط سازش کیس، مرتبہ مولانا سید محمد میاں، دہلی، ۱۹۷۵ء ص ۳۲-۲۳۲

دائرۂ مقاصد ان سے بہت زیادہ وسیع اور عزائم کاران کے کارکنان سے بہت زیادہ بلند ہیں۔
انگریزوں کے لیے کسی ملکی تنظیم و اجتماع کا مجرد آزادانہ قیام ہی شکوک و شبہات کے لیے کافی تھا مسلمانوں کی تنظیم و اصلاح اور قدیم و جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تربیت، قیام مدارس و نظام مساجد، مبلغین اسلام کی تیاری وغیرہ کے عزائم تو حکومت کے شبہات کو یقین میں بدل دینے کے لیے کافی تھے چناں چہ حکومت چوکنی ہوگئی اس نے مولانا احمد حسن امروہوی سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کی اور حضرت شیخ الہند کی آمدنی پر ٹیکس لگا دیا گیا۔ حضرت اس وقت دارالعلوم سے صرف پچاس روپے مشاہرہ وصول فرماتے تھے۔

جمعیت کے قیام پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حکومت کو یقین ہوگیا کہ اس کے سامنے صرف وہی مقاصد نہیں جن کا اعلان کیا گیا ہے یا اس کے اجلاس میں پاس شدہ تجاویز سے ہوتا ہے۔ حکومت کو یقین ہوگیا کہ جمعیت الانصار مسلمانوں کو حکومت کے خلاف بھڑکانے والی انجمن ہے اور جمعیت الانصار کے پردے میں مسلمانوں کو منظم کیا جارہا ہے۔ ریشمی رومال سازش میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

- ”جلد ہی مولوی عبیداللہ نے انگریزی پڑھے ہوئے نوجوانوں کو طالب علم کی حیثیت سے لینا شروع کردیا اور اس انجمن نے نیم سیاسی نوعیت اختیار کرلی۔
- جب جنگ بلقان شروع ہوئی اور دیوبند کے ذمہ داروں نے ترکی کی مالی امداد کے جواز کا فتویٰ دیا تو اچانک جمعیت الانصار اپنے اصلی رنگ میں آگئی اور انتہائی متعصب جماعت بن گئی۔
- مولوی، طلبہ اور دوسرے لوگ مبلغ بناکر بھیجے جانے لگے اور ترکی کی مدد کے لیے ہلال احمر فنڈ میں بڑی بڑی رقمیں جمع کی جانے لگیں۔

لہ تجاویز کے مطالعے کے لیے قواعد و مقاصد جمعیۃ الانصار ... یا تذکرہ شیخ الہند (از مفتی عزیزالرحمٰن) سے رجوع کرنا چاہیے۔

لہ حضرت شیخ الہند نے جب دارالعلوم میں خدمات تدریس انجام دینا قبول فرمایا تھا تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اصرار سے پندرہ روپے مشاہرہ مقرر ہوا تھا۔ پھر کئی بار میں پچاس روپے تک اضافہ ہوا۔ حضرت گنگوہی کے انتقال کے بعد پچھتر روپے آپ کی تنخواہ تجویز کی گئی لیکن یہ اضافہ آپ نے قبول نہ فرمایا اور آخر میں تو اسے لینا بھی ترک کردیا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں حضرت کی پچاس روپے تنخواہ پر ٹیکس لگایا گیا تھا تو دارالعلوم ہی میں مدرسین سے لے کر ارباب اہتمام تک کئی حضرات کی تنخواہیں اس سے زیادہ تھیں۔ لیکن برٹش حکومت کی یہ خصوصی نظر صرف حضرت شیخ الہند کے لیے وقف تھی۔

• غیر ملکی سامان کے بائی کاٹ کی تبلیغ بڑے شد و مد سے کی جانے لگی۔

• اس کی شاخ قاسم المعارف نے کلکتہ میں چندہ جمع کرنے کے سلسلے میں بڑی سرگرمی دکھائی"۔

حضرت شیخ الہند کے بارے میں ہے کہ

• دیو بند میں ان کا مکان ... اسلامی کی سازشوں کا گڑھ تھا۔

• انھوں نے سیف الرحمٰن، فضل الٰہی، فضل محمود وغیرہ کو سرحد پار قبائلیوں کو جہاد پر بھڑکانے کے واسطے بھیجا ......

• ہندوستان میں اتحاد اسلامی کی سازش میں مولانا (محمود حسن) کی رہنمایانہ .. قائدانہ شخصیت بڑی سرگردہ ہے"۔

○

اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعلوم دیو بند کے قیام کا ایک مقصد ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی ناکامی کی تلافی تھا لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ قیام کے اس مقصد پر تعلیم و تدریس کا پردہ ڈال دیا گیا تھا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے بعد ان کے جانشین علمی و فکری مولانا محمود حسن نہایت احتیاط اور پوری راز داری کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لیے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔ حضرت شیخ الہند نے فروغ تحریک، تنظیم جماعت اور عمل انقلاب کے میدان میں قدم رکھا، مولانا عبیداللہ سندھی حضرت کے دست راست اور ایک بہت فعال سیاسی کارکن تھے۔ وہ دیو بند میں تنظیم جماعت، تعلیم و تبلیغ سیاسی اور سندھ، سرحد کے انقلابی عناصر اور ملک کے جدید تعلیم یافتہ حضرات سے رابطے کے فرائض بھی انجام دیتے رہتے ان تمام کاموں میں انھیں حضرت شیخ الہند کا مشورہ اور رہنمائی حاصل تھی۔ اب جب کہ دارالعلوم کے ارباب اہتمام نے دیکھا کہ وہ دیو بند میں برٹش حکومت کے خلاف بغاوت کی خطرناک تحریک چلا رہے ہیں، جسے انگریز کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا اور اس کی ناراضگی سے یقیناً ان کے خاندانی مفادات کو نقصان پہنچے گا تو انھوں نے اس تحریک کی مخالفت شروع کر دی اور چوں کہ بہ قول مولانا مفتی عزیز الرحمٰن کے حضرت شیخ الہند کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے نزلہ بر عضو ضعیف کے مصداق مولانا سندھی کو اپنی مخالفت کا ہدف بنایا۔ اس کے لیے انھوں نے دو طریقے استعمال کیے:

۱. ان کے ساتھیوں کو ان سے توڑا، مولانا شبیر احمد عثمانی (دیوبندی) مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا غلام رسول خان (ہزاروی) کو ان کے خلاف ورغلایا اور انھیں ان سے الگ کر دیا۔

۲. بعض مسائل میں مولانا سندھی مرحوم کے علمی و تحقیقی افکار اور بعض اقدامات کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ دارالعلوم کی فضا کو ان کی مخالفت کے سانچے میں ڈھال دیا گیا۔ اُن کے ساتھیوں کو ان سے لڑا دیا گیا اس سلسلے میں جو مسائل پیدا کیے گئے تھے، یہ تھے

الف: غیر مسلموں میں عدم تبلیغ یا کما حقہ تبلیغ نہ ہونا اور اس پر ان کی نجات یا عدم بازپرس کا اعتقاد

ب: ہندو مسلم اتحاد کا مصالح دینی وملی کے خلاف ہونے کا مسئلہ

ج: جدید تعلیم یافتہ حضرات کی قدر افزائی سے نیچریت اور بے دینی کے فروغ اور دیوبند کے تشخص کو اس سے نقصان پہنچانے کا الزام۔

د: دارالعلوم میں مولانا محمد علی کی عزت افزائی کا واقعہ۔ اگرچہ یہ اختلاف کوئی الگ اور اصولی اختلاف نہ تھا اور اس سے مولانا سندھی کا کوئی تعلق بھی نہ تھا لیکن اسے خاص اہمیت دی گئی اور ان کے خلاف اس واقعے کو بہ طور ایک حربے کے استعمال کیا گیا۔

ہ: ایک اور مسئلہ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں اپنے مقام پر آئے گی

ان مسائل وواقعات کی حقیقت کیا تھی؟ کیا مولانا سندھی نے واقعی کوئی ایسا عقیدہ ایجاد کیا تھا جو کفر تھا اور جس کو ماننے والا واجب القتل ہے؟ کیا انھوں نے واقعی کوئی ایسے اعمال انجام دیے تھے۔ جن سے علی گڑھ کے نیچریوں کو یا جدید تعلیم یافتہ بے دینوں کو تقویت ملی تھی اور جس سے دیوبند کی عزت خاک میں مل گئی تھی؟ اور کیا واقعی مولانا محمد علی کی قدر افزائی سے دارالعلوم کا تقدس پامال ہو گیا تھا؟

آئندہ سطروں میں ان مسائل وافکار کو الگ الگ موضوع بنا کر بحث کی جائے گی